حبش اور مسلمانوں کے تعلقات

(عمر فاروق مودودی)

مملکتِ حبشہ کو مسلمانوں کے ساتھ اوّل روز سے جو خصوصی اور مختلف الجہت تعلق رہا ہے وہ کسی دوسرے ملک کو نصیب نہیں ہوا۔ یہی ملک تھا جو ایک عیسائی مملکت ہونے کے باوجود مسلمانوں کا اولین مامن اور دارالہجرت بنا۔ پھر یہی ملک تھا جس کے ساتھ سب سے پہلے مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے اوّلین خارجی تعلقات حبشہ سے ہی استوار ہوئے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف فرما رہے، آپؐ کے اور شاہِ حبشہ کے درمیان مسلسل مراسلت اور ہدایا کا تبادلہ ہوتا رہا حضرت ام حبیبہؓ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غائبانہ نکاح نجاشی ہی کے ہاتھوں ہوا اور اس نے حضورؐ کی طرف سے مہر ادا کیا۔ نجاشی کی موت کی خبر جب مدینے پہنچی تو حضورؐ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔ اس طرح اس ملک کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دلچسپی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ مسلمانوں نے اپنی فاتحانہ ترکتازیوں کے پورے زمانے میں کبھی حبشہ پر حملہ نہیں کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حبشہ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات قریب قریب ختم ہو گئے۔ بعد میں جب شمالی افریقہ یعنی تونس، الجزائر اور مراکش مسلمانوں کی دلچسپیوں کا مرکز بنے تو گویا مسلمان اس ملک کو بالکل ہی بھول گئے۔ یہ صورتِ حال صرف حبشہ ہی کے ساتھ پیش نہیں آئی بلکہ پورے براعظم افریقہ پر باستثناء شمالی افریقہ، صدیوں کی صدیاں ایسی گزریں جن میں بیرونی دنیا سے اس کے تعلقات برائے نام رہے اور یہ تاریک براعظم باقی دنیا کی اکھیڑ پچھاڑ سے الگ تھلگ رہا۔ لیکن اس دور میں بھی مسلمان تاجر اور مبلغ جس طرح افریقہ کے دوسرے حصوں میں نجی طور پر جاتے رہے اسی طرح حبشہ

میں بھی مسلمانوں کے یہ غیر رسمی سفراء برابر اسلام اور مسلمانوں کی نمائندگی کرتے رہے۔

حبشہ کے تعلقات مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ دوستانہ ہی نہیں رہے، بلکہ اکثر ان میں نفرت و عناد کا بہت گہرا رنگ رہا ہے۔ بالخصوص جب یورپ کی عیسائی استعماری طاقتوں نے افریقہ کو اپنی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنایا تو حبشہ کے عیسائی عناصر کا عناد مسلمانوں کے ساتھ بہت شدت اختیار کر گیا۔ افسوس یہ ہے کہ عام مسلمان تعلقات کی ان دونوں ہی نوعیتوں سے بڑی حد تک بے خبر ہیں۔ لیکن اب جو صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ بے خبری کے اس طرزِ عمل کو تبدیل کیا جائے اور عالمِ اسلام حبشہ کے مسلمانوں کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے۔

ذیل میں ہم نے حبشہ اور مسلمانوں کے تعلقات کا مختصر جائزہ لینے کے بعد پچھلی ایک صدی میں حالات نے جو سنگینی اختیار کی ہے، اس کی مفصل رُوداد پیش کی ہے۔ اس مضمون کی تیاری میں ہم نے مصر کی جامعہ فواد الاوّل کے پروفیسر جناب عبدالمجید عابدین کی تالیف "بین الحبشۃ والعرب" انسائیکلو پیڈیا بری ٹینیکا اور اُس لٹریچر سے فائدہ اٹھایا ہے جو حبشہ کے تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں کی انجمن MUSLIM EDUCATED YOUTH LEAGUE IN ETHIOPIA اور اریٹیریا کے محاذ آزادی (ERITREAN LIBERATION FRONT) نے فراہم کیا ہے۔

قدیم تاریخ | حبشہ کا قدیم ترین نام جو آج بھی اس ملک کے سرکاری نام کی حیثیت رکھتا ہے اتھیوپیا (ETHIOPIA) ہے۔ اس کی اصل یونانی لفظ ایتھیوپس (AITHIOPS) ہے جو دو کلموں ایتھین (AITHEIN) بمعنی جلانا اور اوپس (OPS) بمعنی چہرہ سے مرکب ہے۔ یعنی اتھیوپیا کا لغوی مفہوم "جلا ہوا چہرہ" ہے۔ اہلِ حبشہ اپنے ملک کو اتھیوپیا تورات کی تقلید میں یا یوں کہنا چاہیے کہ تبرکاً کہتے ہیں۔ ورنہ قدیم یونانی لوگ لفظ ایتھیوپیا کا اطلاق اُس علاقے پر کرتے تھے جو مصر کی جنوبی حدود کے قریب واقع تھا اور جسے فراعنۂ مملکت کوش سے تعبیر کرتے تھے۔ رومی دور میں اس نام نے کچھ وسعت اختیار کی اور اتھیوپیا کا اطلاق دریائے نیل اور بحرِ احمر کے درمیانی علاقہ پر ہونے لگا اور بسا اوقات اس میں نیل کے مغرب میں واقع بعض علاقے بھی شامل سمجھے جاتے تھے۔

اسی طرح بحر احمر کے مشرقی ساحل کے بعض علاقے حتیٰ کہ یمن کو بھی قدماء نے ایتھوپیا میں شمار کیا ہے۔

قدیم زمانے میں حبشہ کو جن لوگوں نے اپنا وطن بنایا اور جن کی مخلوط نسل سے حبشی قوم وجود میں آئی ان کو ہم تین عناصر میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک تو وہ مقامی افریقی تھے جن کا رنگ نہایت سیاہ اور بال بہت زیادہ گھونگریالے تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو حام بن نوح کے بیٹے کوش کی اولاد تھے اور جن کا اصلی وطن مصر کے قریب وہ علاقہ تھا جسے بلاد نوبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے جد امجد کوش کی طرف منسوب ہو کر کوشی کہلاتے تھے۔ اسی مناسبت سے فراعنہ اس علاقے کو مملکت کوش کہتے تھے۔ ان لوگوں کے مصر کے ساتھ بہت قریبی تعلقات تھے۔ ان کا رنگ مقامی افریقیوں کے مقابلے میں نسبتہً سانولا تھا اور ان کے بالوں میں گھونگر بھی افریقیوں کے مقابلے میں کم تھا۔ ان کی زبان بھی کوشیہ کہلاتی تھی جو حامی زبانوں کی ایک شاخ تھی۔ حبشہ کے بکثرت بت پرست قبائل یہی زبان بولتے رہے۔

حبش اور عرب کے تعلقات | تیسرا عنصر وہ یمنی قبائل تھے جو سام بن نوح کی اولاد تھے اور جو حضرت مسیح کی پیدائش سے چند سو برس قبل یمن سے نقل مکانی کر کے حبشہ میں جا بسے تھے۔ اگرچہ یمن جو سامی قبائل کا مسکن تھا دو ڈھائی ہزار برس قبل مسیح سے تہذیب و تمدن کا گہوارہ چلا آ رہا تھا، مگر خاص اس زمانہ میں جب یمنی قبائل نے حبشہ کو وطن بنایا، وہاں قوم سبا کی حکومت تھی جس کے کھنڈرات آج بھی عظمت پارینہ کے آئینہ دار ہیں۔ سبا کا اصلی مرکز حکومت یمن کا مغربی حصہ تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کا دائرہ مشرق میں حضرموت تک وسیع ہو گیا تھا۔ چونکہ قوم سبا ایک تاجر پیشہ قوم تھی اس لیے بہت سے بحری اور تجارتی راستوں پر ان کا قبضہ تھا۔ سبائی تاجر ہندوستان اور حبش کی پیداوار یمن پہنچاتے تھے اور پھر یہ سامان یمن کے خوشبودار مصالحوں اور موتیوں کے اضافہ کے ساتھ حجاز یا بحر احمر کے راستے شام، فینیشیا (لبنان) اور مصر پہنچتا تھا۔ اسی تجارت کے سلسلہ میں چند یمنی قبائل بحر احمر عبور کر کے حبشہ جا پہنچے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

سب سے پہلے جو قبیلہ یمن سے ترک وطن کر کے حبشہ پہنچا، وہ قبیلہ احباعزت تھا۔ ان لوگوں کا اصلی وطن صنعاء اور عدن کے درمیان کا ساحلی علاقہ تھا۔ حبشہ اور یمن دونوں جگہ کے کتبات میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

حبشہ میں ان لوگوں نے شمال مشرقی علاقہ پر قبضہ جمایا۔ ان کی زبان لغتہ الجعز صدیوں تک حبشہ کی قومی اور سرکاری زبان رہی۔

یمنی آبادکاروں میں سب سے زیادہ مشہور قبیلہ حبشت تھا۔ یہ لوگ بھی یمن کے ساحلی علاقے کے رہنے والے تھے۔ مشرقی حضرموت سے سمندر پار کر کے اریٹیریا پہنچے اور وہاں سے چل کر شمالی حبشہ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ ان لوگوں کے وہاں آباد ہو جانے کے بعد ملک کا شمالی حصہ ان کی طرف منسوب ہو کر حبشہ کہلانے لگا۔ بعد میں عربوں نے تمام ملک کو حبشہ کہنا شروع کر دیا۔ لفظ ابی سینیا کا بھی ماخذ اصل میں لفظ حبشہ ہے۔

یہ یمنی قبائل چونکہ تجارت اور جنگ آزمائی میں ماہر تھے اور ایک بالغ تہذیب کے سپوت تھے، اس لیے ان کے حبشہ پہنچتے ہی پورے ملک پر ان کو ایک ہمہ گیر تفوق حاصل ہو گیا اور انہوں نے سرزمین حبشہ میں سب سے پہلی ریاست کی داغ بیل ڈالی جو آٹھ سو برس تک قائم رہی اور اس عرصے میں اس حبشی ریاست نے یمن پر بالخصوص اور عرب پر بالعموم کافی اثر ڈالا۔ یہ ریاست اگرچہ قائم تو بہت پہلے ہو چکی تھی لیکن اس کی تاریخ کی ابتدا ۳۰۰ ق م سے ہوتی ہے۔ اس ریاست کی زبان جعز تھی اور مذہب مسیحیت سے قبل بت پرستی تھا۔ عرب اس ریاست کے بادشاہوں کو نجاشی کہتے رہے جو در اصل نجوس (NEGUS) کی تعریب ہے اور جس کے معنی حبشی زبان میں بادشاہ کے ہیں۔

حبش میں یہودیت حبشہ پر یمن کی سبائی تہذیب کے علاوہ فلسطین کی یہودی تہذیب بھی اثر انداز ہوئی کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جب رومیوں نے فلسطین میں یہودیوں پر ظلم و ستم کیے تو بہت سے یہودی بھاگ کر حبشہ پہنچ گئے اور ان کی اولاد اکسوم کے قرب و جوار میں پھیل گئی۔ یہودیوں کی یہ ہجرت سبائی قبائل کے بعد واقع ہوئی۔ حبشی یہودیوں کو فلشتہ کہا جاتا تھا۔ شروع شروع میں ان کی زبان عبرانی ہی رہی مگر جب انہوں نے اپنی مقدس کتابوں کا ترجمہ ملک کی سرکاری زبان جعز میں کر لیا تو آہستہ آہستہ عبرانی زبان ختم ہوتی چلی گئی۔ یہ یہودی ملک کی سیاسی اور مذہبی زندگی پر اثر انداز ہوئے اور ان کی اساطیر نے خاص طور پر معاشرت پر اثر ڈالا۔ یہ لوگ جس دیوتا

کی پرستش کرتے تھے اس کا نام سنیت تھا جو یوم سبت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حبش میں عیسائیت | حبشہ میں مسیحیت کا آغاز ۳۳۰ء سے ہوتا ہے جب مملکت اکسوم کے بادشاہ عیزانا نے اسکندریہ کے ایک مسیحی راہب کے ہاتھ پر مسیحیت قبول کی۔ یہ بادشاہ قسطنطین اکبر (CONSTAN-TINE) کا معاصر تھا اور مؤرخین نے اسے حبشہ کا قسطنطین قرار دیا ہے، کیونکہ اس نے مسیحیت کو حبشہ کا سرکاری مذہب بنا دیا اور بلاد نوبہ پر حملہ کر کے بُت پرستی کا خاتمہ کیا۔ اسی اثناء میں شامی کلیسا کے نو راہب بھی حبشہ پہنچ گئے اور انہوں نے مسیحیت کی تبلیغ شروع کر دی۔

اصحاب الاخدود | چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں اصحاب الاُخدود کا حادثہ پیش آیا جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ بروج میں کیا گیا ہے۔ اس پر قیصر روم نے شاہِ حبشہ کو خط لکھا کہ وہ یمن کے فرمانروا ذو نواس سے اُن عیسائیوں کا بدلہ لے جن کو نجران میں زندہ جلا ڈالا گیا تھا۔ چنانچہ شاہِ حبشہ نے یمن پر حملہ کیا، ذو نواس نے شکست کھائی اور یمن پر حبشہ کا تسلط قائم ہو گیا جو ۵۲۵ء سے ۵۹۸ء تک یعنی ۷۲ برس تک باقی رہا[1]۔

واقعۂ فیل | اسی زمانہ میں اصحاب الفیل کا واقعہ بھی پیش آیا جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الفیل میں آیا ہے۔ جب یمن پر حبشہ کا تسلط قائم ہو گیا تو شاہِ حبشہ نے ارباط نامی ایک حبشی سردار کو یمن کا گورنر مقرر کر دیا جو بیس برس تک حکمراں رہا۔ کہتے ہیں کہ اسی اثناء میں حبشی فوج نے ابرہہ کی سرکردگی میں ارباط کے خلاف بغاوت کر دی اور ارباط مارا گیا۔ اب ابرہہ یمن کا خود مختار حاکم ہو گیا[2]۔ ابرہہ[3] نے عیسائیت کی ترویج کی خاطر بڑے بڑے شہروں میں کلیسا تعمیر کیے اور سب سے بڑا کلیسا صنعاء میں تعمیر کیا۔ جب تعمیر مکمل ہو چکی تو ابرہہ نے جو اپنے آپ کو تہامہ یعنی حجاز کا بھی بادشاہ سمجھتا تھا کعبہ کو ڈھا دینے کا ارادہ کیا تاکہ تمام عربوں کو اپنے بنائے ہوئے کلیسا پر جمع کرے اور اس طرح عرب میں عیسائیت کو فروغ دے۔ چنانچہ وہ ایک لشکر لے کر نکلا جس کے ساتھ ہاتھیوں کا

---

[1] ارض القرآن ص ۳۱۳ ج ۱   [2] ارض القرآن ص ۳۱۵، ص ۳۱۹ ج ۱

[3] ابرہہ، ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے۔

ایک دستہ بھی تھا۔ جب وہ عرفات سے آگے بڑھ کر بطن محسّر میں پہنچا جو مکہ معظمہ کے قریب ایک وادی ہے تو بحر احمر کی جانب سے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ نمودار ہوئے اور انہوں نے لشکر پر کنکریاں پھینکنی شروع کیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کنکریوں کے لگنے سے تمام لشکر چیچک کی وبا میں مبتلا ہوگیا اور سب کے سب وہیں کھیت رہے۔ اسی حالت کو قرآن مجید میں عصفٍ ماکول دکھائی ہوئی گھاس) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس واقعے کے چالیس روز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حبش اور اسلام کے تعلقات سنہ ۵۷۰ء اور سنہ ۶۳۰ء کے درمیانی عرصے میں حبشہ کی تاریخ مؤرخین میں مختلف فیہ ہے۔ مسلمان مؤرخین کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے قبل حبشہ پر جو نجاشی حکمراں تھا اس کا نام ابجر تھا۔ اور آپ کا معاصر جو نجاشی تھا اور جس کے زمانہ میں مسلمانوں نے حبشہ میں پناہ لی تھی اس کا نام اصحمہ تھا۔ اس سلسلہ میں جو کہانی بیان کی جاتی ہے وہ تاریخی اہمیت کی مالک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اہلِ حبشہ نے ابجر نجاشی کو قتل کر ڈالا اور اس کے بھائی کو بادشاہ بنالیا۔ اور ابجر کے بیٹے اصحمہ کو حبشہ سے نکال کر ملکِ عرب میں بنی ضمرہ کے ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تاکہ اصحمہ تخت کا مطالبہ نہ کر سکے۔ اصحمہ عرب میں اپنے آقا کے مویشی چراتا رہا تا آں کہ اس کا چچا نجاشی مر گیا۔ اب اہلِ حبشہ کو تلاش ہوئی کہ کس کو تخت پر بٹھائیں۔ ان کو کوئی شخص اس منصب کے لیے اسی گمشدہ نوجوان کے سوا اہل نظر نہ آیا۔ چنانچہ انہوں نے اصحمہ کو تلاش کر کے تخت پر بٹھا دیا۔ یہ اصحمہ نجاشی حبشہ کا حکمراں رہا یہاں تک کہ سنہ ۹ھ میں وفات پائی۔

ہجرتِ حبشہ حبشہ اور مسلمانوں کے تعلقات کی ابتدا سنہ ۶۱۶ء میں ہوتی ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ارضِ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی۔ جہاں تک خود آپ کی اپنی ذات بابرکات کا تعلق تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے ایسے سامان بہم پہنچا دیئے تھے کہ کفارِ قریش آپؐ کی ایذا رسانی پر زیادہ دلیر نہ تھے لیکن صحابہ کرام پر انہوں نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا:

لو خرجتم الی ارض الحبشۃ، فان بھا ملکاً لا یظلم عندہ احد وھی ارض صدق، حتی یجعل اللہ لکم فرجا مما انتم فیہ[1]۔ اس اجازت کے مل جانے پر بارہ اصحاب جن میں سے چار کے ہمراہ ان کی ازواج بھی تھیں ماہ رجب ۵ ؁ نبوی میں مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گئے۔ ان حضرات نے چند مہینے حبشہ میں بڑے اطمینان اور سکون سے گزارے، لیکن اس اثناء میں انہیں یہ اطلاع ملی کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں اور اب مکہ میں کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ چنانچہ یہ لوگ واپس وطن روانہ ہو گئے۔ جب مکہ معظمہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ اطلاع غلط تھی۔ اب یہ لوگ بڑے پریشان ہوئے۔ کچھ تو وہیں سے حبشہ لوٹ گئے اور کچھ مختلف لوگوں کی پناہ میں مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ یہاں حالات پہلے سے بھی زیادہ خراب تھے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حبشہ جانے کا مشورہ دیا۔ اس ہجرتِ ثانیہ میں سب سے پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب نکلے اور ان کے بعد ایک ایک دو دو کر کے تراسی صحابہ کرام حبشہ پہنچ گئے۔ ان میں سے بعض کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی تھے اور بعض تنہا تھے۔ (باقی)

---

[1] ابن ہشام ج ۱ ص ۳۴۳۔ ترجمہ: "اچھا ہو کہ تم لوگ سرزمین حبشہ کی طرف نکل جاؤ کیونکہ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ صداقت کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہارے لیے موجودہ حالت سے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے تم وہیں رہو۔"

ماہنامہ ترجمان القرآن کا اکتوبر کا شمارہ
انشاء اللہ
یکم اکتوبر کو شائع ہو جائے گا۔
(منیجر ترجمان القرآن)